35

جماعت احمدیہ میں اعلیٰ تعلیم عام کرنے کی نہایت اہم سکیم

(فرمودہ 19 / اکتوبر 1945ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"میں نے گزشتہ خطبات میں کئی مواقع پر بیان کیا ہے کہ جس طرح انسانی جسم کے لئے ایک گھر کی ضرورت ہوتی ہے جو بغیر کئی دیواروں اور چھتوں کے مکمل نہیں ہوتا اِسی طرح انسانی روح کی حفاظت اور دین کے قیام کے لئے بھی ایسے مکانوں کی ضرورت ہوتی ہے جس کی کئی دیواریں ہوں، چھتیں، کھڑکیاں اور روشندان ہوں۔ لوگ جب اپنے گدھے کے ٹھہرانے کے لئے ایک مکان تجویز کرتے ہیں تو وہ بھی کئی دیواروں اور چھتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ لوگ اپنی مرغیاں رکھنے کے لئے اگر مکان تجویز کریں تو وہ بھی کئی دیواروں، چھتوں اور کھڑکیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ بلکہ لوگ اگر چڑیوں اور طوطوں کے لئے مکان تجویز کریں تو اُس میں بھی چاروں طرف دیواروں کے قائمقام تاریں لگا دیتے ہیں۔ لیکن دین کے معاملہ میں اگر کوئی مسئلہ بھی انہیں معلوم ہو تو سمجھ لیتے ہیں کہ ہماری ساری ضرورتیں اِس ایک مسئلہ سے ہی پوری ہو جائیں گی۔ گویا وہ چیز جو سب سے زیادہ ضروری ہے اور سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور سب سے زیادہ قیمتی ہے لوگ اس کے لئے سب سے زیادہ کمزور، سب سے زیادہ بیہودہ اور سب سے زیادہ ناقص گھروندا تیار کرتے ہیں اور پھر آرام سے بیٹھ جاتے ہیں کہ ہم نے اپنی آخرت

سنوار لی۔ لیکن لوگوں کی اس بے وقوفی اور نادانی سے آخرت بھلا کیونکر سنور سکتی ہے۔ اگر کبوتر بلی کے حملہ کے وقت اپنی آنکھیں بند کر لے تو بلی کا حملہ کمزور نہیں پڑ جاتا اور وہ موت سے بچ نہیں سکتا بلکہ کبوتر کے آنکھیں بند کرنے میں بلی کا ہی فائدہ ہوتا ہے۔ اِسی طرح جو لوگ دین اور روح کے لئے اس قسم کا غیر محفوظ گھر تیار کر کے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے مضبوط قلعہ تیار کر لیا اُنہی کا نقصان ہوتا ہے اور شیطان جب چاہتا ہے اور جہاں سے چاہتا ہے حملہ کر دیتا ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں نادان ایسے ہیں کہ جب وہ بیعت کرتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ کئی ایسے ہوتے ہیں جو بیعت کے بعد نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے بڑی تیس مار خانی کی ہے۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو نماز کے بعد چندہ بھی دینا شروع کر دیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ اِس سے زیادہ اُنہیں کسی اَور بات کی ضرورت نہیں۔ اور باقی وقت اور باقی روپیہ اپنی ضروریات کے لئے خرچ کرتے ہیں اور دن رات اپنے دنیوی مشاغل میں مصروف رہتے ہیں۔ حالانکہ دین نہ بیعت کے بعد نماز پڑھنے کا نام ہے اور نہ دین بیعت کے بعد چندہ دینے کا نام ہے۔ بلکہ دین تو پُلِ صراط کا نام ہے۔ کہیں قرآن مجید اور حدیث سے معلوم نہیں ہوتا کہ صرف نماز پڑھنے سے جنت مل جائے گی۔ یا صرف چندہ دینے سے لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ یا صرف روزے رکھنے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جنت میں داخل کر دے گا۔ قرآن مجید سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص تقویٰ اللہ سے جنت میں داخل ہو گا۔ اور یہ ممکن نہیں کہ کسی شخص کے اندر تقویٰ ہو اور وہ نماز نہ پڑھتا ہو۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی شخص کے اندر تقویٰ ہو اور وہ روزہ نہ رکھتا ہو۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی شخص کے اندر تقویٰ ہو اور وہ باوجود استطاعت رکھنے کے حج نہ کرے۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی شخص کے اندر تقویٰ ہو اور وہ زکوٰۃ نہ دے۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی شخص کے اندر تقویٰ ہو اور وہ دین کی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ ایک شخص نماز پڑھتا ہو لیکن اسکے اندر تقویٰ نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ حج تو کرے لیکن اُس کے اندر تقویٰ نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زکوٰۃ دے لیکن اس کے اندر تقویٰ نہ ہو۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص دہریہ ہو لیکن

اس کے اندر اچھے اخلاق موجود ہوں۔ بہت سے دہریہ ایسے ہیں جو سچ بولتے ہیں اور فریب، دغا اور ظلم کو برا سمجھتے ہیں حالانکہ وہ تقویٰ کے نام سے بھی آشنا نہیں ہوتے۔ لیکن ایک شخص کے اندر یہ ساری باتیں بغیر تقویٰ کے ہو سکتی ہیں۔ ایک بچہ جس کے والدین سچ بولتے ہیں وہ بھی اُن کے پاس رہنے کی وجہ سے سچ کا عادی ہو جاتا ہے۔ لیکن جب وہ کالجیئیٹ (Collegiate) بنتا ہے تو کالج کی تعلیم کے اثر سے وہ دہریہ بن جاتا ہے۔ اب اس کے اندر تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کا خوف بھی نہیں لیکن اسے جھوٹ بولنے کی عادت بھی نہیں۔ ہزاروں دہریہ ایسے ہیں جو سچ بولتے ہیں، دیانت دار ہوتے ہیں، ہمسایہ کی خدمت کرتے ہیں، لوگوں سے خوش خلقی سے پیش آتے ہیں۔ حالانکہ اُن میں تقویٰ نہیں ہوتا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا ہی نہیں اُس کے متعلق ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ متقی ہونے کی وجہ سے ان اخلاق پر کاربند ہے۔ کیونکہ تقویٰ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا نام ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو رسمی طور پر مانتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ دوسری نیکیاں بھی بجالاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ 1 کہ نماز پڑھنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ حالانکہ نماز تو وہی ہے جو دوسرے لوگوں کو جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ لیکن تقویٰ نہ ہونے کی وجہ سے ان کے لئے لعنت بن گئی۔ جیسا کہ ایک انسان روزے رکھتا ہے لیکن متقی نہ ہونے کی وجہ سے وہ روزہ فاقہ کہلاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسے شخص کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ بھوکا پیاسا بے شک رہا لیکن اُس نے روزہ نہیں رکھا بلکہ فاقہ کیا۔ 2 گو ظاہری طور پر اُس کا روزہ ہی تھا لیکن تقویٰ نہ ہونے کی وجہ سے وہ روزہ فاقہ بن گیا۔ اِسی طرح حج کرنے والے کے دل میں اگر حاجی کہلانے کی خواہش ہو تو باوجود اُس کے حج کرنے کے اُسے حج کا کوئی ثواب نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ آجکل جو سب سے زیادہ شقیُّ القلب ہو وہ حاجی ہو گا۔ اور اِس کی ایک مثال بھی سنایا کرتے تھے کہ ایک بوڑھی عورت جو آنکھوں سے اندھی تھی ریل کے کسی سٹیشن پر اُتری اُس کے پاس تھوڑا سا اسباب تھا۔ گاڑی سے اُتر کر وہ سٹیشن پر بیٹھ گئی اور تھوڑا بہت اسباب جو اُس کے پاس تھا جمع کیا تا کہ لیٹ کر آرام کرلے۔ اُس نے چیزیں جمع کیں تو اُس کو معلوم ہوا کہ کوئی اُس کی چادر اُڑا لے گیا ہے۔ اس نے

بڑے آرام سے اور بغیر کسی تکلّف کے کہا ''بھائیا حاجیا! میرے پاس تے ایہی چادر سی۔ میں تے پالے نال مرجاں گی مینوں میری چادر دے دے۔'' یعنی اے بھائی حاجی! میرے پاس تو یہی چادر ہے اگر تم نے یہ چادر مجھے نہ دی تو میں سردی سے مر جاؤں گی۔ مہربانی کر کے مجھے میری چادر دے دو۔ ابھی وہ یہ کہہ رہی تھی کہ پاس سے ہی کسی شخص نے اسے فوراً چادر دے دی اور کہا یہ لے اپنی چادر۔ لیکن تُو مجھے یہ بتا کہ تجھے یہ کس طرح معلوم ہوا کہ میں حاجی ہوں؟ تجھے نظر تو آتا نہیں (پہلے یہ رواج تھا کہ حاجی اکثر نیلا کُرتہ پہنتے تھے اور دیکھنے والا سمجھ جاتا تھا کہ یہ شخص حاجی ہے) اُس بوڑھی عورت نے جواب دیا کہ ''ایہو جیہے کم حاجی ہی کر دے نے'' یعنی ایسے کام حاجی ہی کیا کرتے ہیں۔ تو اس عورت نے لمبے تجربہ کے بعد یہ سمجھ لیا تھا کہ سب سے زیادہ شقیُّ القلب وہی ہوتا ہے جو حاجی ہو۔ گو تمام حاجی ایک جیسے نہیں ہوتے لیکن وہ لوگ جو اِس نیت سے حج کرتے ہیں کہ دنیا اُنہیں حاجی کے نام سے پکارے اور حاجی ہونے کی وجہ سے ان کی عزت کی جائے وہ اکثر شقی القلب ہوتے ہیں۔ اور بہت حد تک ذمہ داری ان نام کے حاجیوں کی اُن لوگوں پر ہے جو اِن کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور انہیں حاجی کے نام سے پکارتے ہیں۔ اِسی خواہش کی وجہ سے اکثر لوگ حج کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حاجی تھے، آپؐ کے صحابہؓ حاجی تھے، مگر کیا کبھی کسی نے حدیث میں پڑھا ہے کہ حاجی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا حاجی ابو بکرؓ یا حاجی عمرؓ یا حاجی عثمانؓ یا حاجی علیؓ یا حاجی طلحہؓ یا حاجی زبیرؓ یا حاجی حسنؓ یا حاجی حسینؓ؟ حالانکہ اِن سب لوگوں نے حج کیا ہوا تھا۔ کیا لوگوں میں سے کسی نے کبھی ان کو حاجی کہا ہے؟ لیکن اب لوگوں نے حاجی ایک عزت کا نام سمجھ لیا ہے اور اس جھوٹی عزت کے لالچ اور حرص کے ماتحت حج کرنے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کا جسم لاکھ طواف کرے جب تک دل طواف نہیں کرتا اُس وقت تک ظاہری طواف انسان کو روحانی طور پر کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ جب میں حج کے لئے گیا تو میں نے دیکھا کہ جب لوگ عرفہ کی طرف جارہے تھے ایک ہندوستانی نوجوان اردو کے نہایت گندے عشقیہ اشعار پڑھتا جارہا تھا۔ ایسے حج سے اُسے کیا روحانی طور پر فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ پس یہ ہو سکتا ہے کہ حاجی ہو مگر اُس کے اندر تقویٰ نہ ہو۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ متقی ہو اور حج نہ کرے۔ یہ اَور بات ہے کہ ایک متقی کے

پاس اِس قدر مال نہ ہو کہ وہ حج کر سکے۔ یا مال تو اُس کے پاس ہے مگر اُس کی صحت سفر کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ یا بعض اَور مواقع ہوں جن کی موجودگی میں وہ حج کرنے کے لئے نہ جا سکتا ہو۔ مگر یہ ہو نہیں سکتا کہ اُس کے حالات اُس کے موافق ہوں اور کوئی مانع نہ ہو تو وہ حج نہ کرے۔ پس جس شخص میں تقوی اللہ موجود ہے یہ ممکن نہیں کہ اُس پر حج فرض ہو اور وہ حج نہ کرے۔ یا اُس پر زکوٰۃ فرض ہو اور وہ زکوٰۃ نہ دے۔ تقویٰ کے ساتھ یہ سب چیزیں لازم ہیں۔ غرض یہ ایک نادانی ہوتی ہے کہ تھوڑا سا کام کر کے انسان سمجھ لے کہ میں نے جو کچھ کر لیا ہے وہ میری آخرت کے لئے کافی ہے۔ کافی وافی کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ہر ضرورت جو دین کو پیش آتی ہے جو شخص اُس کے پورا کرنے کے لئے کوشش کرتا ہے اور ہر قسم کی قربانی پیش کرتا ہے وہی اُس وقت ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ اور جو شخص ضرورت کے وقت روگردانی کرتا ہے وہ باقی نیکیوں کو بھی کھو بیٹھتا ہے۔ اگر دین کو سَو باتوں کی ضرورت ہے اور ایک شخص ننانوے کام کر لیتا ہے مگر ایک کام جس کی اُس وقت دین کو ضرورت ہے نہیں کرتا تو اُس کے وہ ننانوے کام جو اس نے کئے وہ بھی رائیگاں چلے جائیں گے۔ اگر وہ ننانوے کام کرنے کے بعد سواں کام نہیں کرتا اور یہ سواں کام ایسا ہے جس کے بغیر دین زندہ نہیں رہ سکتا تو اُس کے ننانوے کام لغو اور فضول ہوں گے۔

پچھلے جمعوں میں مَیں نے فوج سے فارغ ہو کر آنے والوں کو زندگیاں تجارت کے لئے وقف کرنے کی تحریک کی تھی۔ آج میں ایک اور مضمون شروع کرنا چاہتا ہوں۔ میرا تجربہ ہے اور میں نے اکثر دیکھا ہے کہ جن لوگوں نے دنیوی تعلیم حاصل کی ہوتی ہے وہ عام طور پر دینی امور میں بھی بہت دلچسپی رکھتے ہیں۔ کیونکہ تعلیم کی وجہ سے ان کے افکار میں تنوّع پیدا ہو جاتا ہے اور ہر ایک بات کو وہ بنظرِ غائر دیکھتے ہیں۔ جو شخص پڑھا لکھا ہو وہ بوجہ سلسلہ کی کتب پڑھنے کے اور اخبار کے مطالعہ کے دینی معلومات زیادہ رکھتا ہے۔ اسے آسانی سے قرآن مجید پڑھنے اور نئے نئے سوالوں کا جواب سوچنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اور پڑھے لکھے لوگ عام طور پر دین میں زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ پھر دنیوی لحاظ سے قومی ترقی بھی تعلیم سے وابستہ ہے۔ ملک کے تمام کام، سیاست کے تمام کام، قوم کے تمام کام تعلیم سے وابستہ ہیں۔ درحقیقت

ہر قسم کی ترقی علم سے وابستہ ہے۔ جیسی ہماری زمین ہے ویسی انگلستان، جرمنی، امریکہ اور دیگر ممالک کی زمین ہے۔ لیکن جس رنگ میں وہ فائدہ اٹھاتے ہیں ہم نہیں اٹھاتے اور نہ ہی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان ممالک کا زمیندار نہایت آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتا ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ لیکن ہمارا زمیندار سُوکھی روٹی کھاتا ہے اور نہایت تنگی سے دن بسر کرتا ہے۔ اگر اس کے پاس کُرتہ ہے تو تہہ بند نہیں۔ اگر تہہ بند ہے تو کُرتہ نہیں۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے ایک کتاب پڑھی۔ جس میں مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ انگلستان میں پانچ ایکڑ زمین پر تین خاندان تین سال تک گزارہ کرتے رہے۔ اور پھر تین سال کے بعد ہر ایک کے حصے میں پانچ چھ سَو پونڈ آئے۔ پانچ ایکڑ زمین پر تین خاندانوں کا گزارہ کرنا اور پھر اِتنی رقم کا بچ جانا بڑے تعجب کی بات ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ تین نوجوانوں نے زراعت کے لئے پانچ ایکڑ زمین ٹھیکے پر لی۔ انہوں نے تین سال تک اس زمین میں کاشتکاری کا کام کیا۔ اِس دوران میں وہ اپنے خاندانوں کا گزارہ بھی اُسی سے کرتے رہے۔ تین سال کے بعد جب انہوں نے حساب کیا تو ان میں سے ہر ایک کے حصہ میں پانچ چھ سَو پونڈ یعنی سات آٹھ ہزار روپیہ علاوہ کھانے اور گزارہ کے آیا۔ لیکن ہمارے ملک میں پانچ ایکڑ والا زمیندار معمولی کھانے پینے کا گزارہ بھی مشکل سے چلاتا ہے۔ تین خاندانوں کا پانچ ایکڑ زمین پر گزارہ کرنا اور پھر ان میں سے ہر ایک کا پانچ چھ سَو پونڈ کا حصہ وار ہونا صرف اِس وجہ سے تھا کہ کام کرنے والے نوجوان تعلیم یافتہ تھے۔ پس تعلیم انسان کی ہر رنگ میں درستی کرتی ہے۔ ہماری جماعت کا اکثر حصہ زمیندار ہے۔ میں غیر ملکوں سے ہو کر آنے والے دوستوں سے اُن ملکوں کے زمینداروں کے متعلق اکثر پوچھتا رہتا ہوں کہ ان ملکوں کے زمینداروں اور ہمارے ملک کے زمینداروں میں کیا فرق ہے۔ ان سے حالات سننے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ نہایت چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن کا وہ لوگ خیال رکھتے اور نہایت معمولی معمولی چیزوں سے بہت بڑا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا زمیندار اُن باتوں کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے اُن سے دسواں یا بیسواں بلکہ سواں حصہ اپنی زمین سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جوانی سے ہی ہر قسم کے علموں کے مطالعہ کا شوق رہا ہے۔

ایک دفعہ مجھے ایک انگریزی زبان کی کتاب کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا جو مرغی خانہ کے متعلق تھی۔ یہ کتاب کئی جلدوں میں تھی اور تین سو روپیہ میں آئی۔ جب میں نے اُسے پڑھنا شروع کیا تو ابتدائی چند سو صفحات میں صرف اِس بات پر زور دیا گیا تھا کہ مرغی خانہ میں مرغیوں کے پانی پینے کا کٹورا فلاں جگہ رکھا جائے، فلاں جگہ گھاس رکھی جائے۔ میں حیران تھا کہ اتنا روپیہ خرچ کیا ہے لیکن اِس کتاب میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ میں نے اُس کتاب کو پھر آگے پڑھنا شروع کیا تو اس نے آگے جا کر لکھا تھا کہ مرغی خانہ سے ہر آدمی کو نقصان ہی ہوتا ہے خواہ وہ کسی ملک میں مرغی خانہ کھولے۔ لیکن میں نے جو باتیں اِس کتاب میں بیان کی ہیں اُن پر عمل کرنے سے ضرور فائدہ ہوگا۔ پانی کے کٹورے ایسے طور پر رکھے جائیں کہ ان میں پانی ڈالنے کے لئے زیادہ وقت کی ضرورت نہ ہو۔ مرغیوں کی نگرانی ایسے طور پر کی جائے کہ تھوڑے آدمیوں کی ضرورت ہو۔ اِس ساری بحث کے بعد وہ کہتا ہے کہ مرغی خانے کا سارا فائدہ مرغیوں کے پروں اور اُن کی بِیٹھوں میں ہے۔ مرغی جو انڈا دیتی ہے وہ خود ہی کھا جاتی ہے اور جو چوزے نکالتی ہے وہ بھی خود ہی کھا جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ ان کی قیمت اُنہیں پر خرچ ہو جاتی ہے۔ لیکن مرغی کے جھڑے ہوئے پر اور بِیٹھیں ہیں جو نفع کا موجب بنتی ہیں۔ لیکن ہمارے کتنے زمیندار ہیں جو مرغی کے پروں یا بِیٹھوں کو کام کی چیز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مرغی کی بِیٹھ اعلیٰ قسم کی کھاد ہوتی ہے اور اس کے پروں سے بہت سی خوشنما چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ لیکن ہمارے زمیندار کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ مرغی کی بِیٹھ ایک اعلیٰ قسم کی کھاد ہے یا مرغی کے پَر بھی کسی استعمال میں آتے ہیں۔ اگر اسے علم ہو جائے تو وہ انہیں سنبھال کر رکھے۔ ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کا خیال رکھنے سے آمدنی بہت بڑھ سکتی ہے۔ پس دوسرے ملکوں کی آمدنی زیادہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ ان کی تعلیم اور ہماری تعلیم میں بہت بڑا فرق ہے۔ چونکہ دوسرے ملکوں کے لوگ عام طور پر اقتصادیات کا علم اچھی طرح جانتے ہیں اس لئے بہت چھوٹی چھوٹی چیزوں سے نفع حاصل کر لیتے ہیں۔ مثلاً یہی پروں اور بِیٹھوں کے متعلق جیسا کہ اس کتاب کے مصنف نے لکھا ہے بہت کچھ نفع اٹھایا جا سکتا ہے۔ اِسی طرح دوسرے ملکوں کے لوگ جو کام بھی کرتے ہیں اُس سے بہت عمدہ گزارہ کی صورت

نکال لیتے ہیں۔ مگر ہمارے ملک کے لوگ علم کی کمی کی وجہ سے اکثر کاموں میں ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں۔ اِس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ جو کام کیا جاتا ہے وہ علم کے ماتحت نہیں۔ بلکہ پہلے رواج کے ماتحت کیا جاتا ہے۔ جس طرح پہلے لوگوں نے کیا اُسی طرح بعد میں آنے والے اُس کو کرتے جا رہے ہیں۔ کوئی ترمیم اس میں نہیں کی جاتی۔ مثلاً پنجاب کا زمیندار عام طور پر ضرورت سے زائد جانور نہیں پالتا اور زراعت کا کام زیادہ کرتا ہے۔ لیکن اسکے مقابل پر سندھی زمیندار جانور زیادہ پالتا ہے اور زراعت کی طرف کم توجہ کرتا ہے۔ ایک پنجابی جب سندھ میں جاتا ہے تو اُس کا سندھی کاشتکار کے ساتھ ٹکراؤ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ زمین خالی پڑی ہے اور اُس نے پندرہ بیس یا پچیس تیس گائیں رکھی ہوئی ہیں اور سارا دن اُن کو چارہ وغیرہ کھلانے میں گزار دیتا ہے زمین کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ پنجابی زمیندار اس طریق کو اپنے لئے مُضِر سمجھتا ہے۔ لیکن اگر ہمارے ملک میں تعلیم بڑھ جائے تو یہ ساری دقتیں آپ ہی آپ دور ہو جائیں۔

کل کے اخبار میں مَیں نے ایک امریکن شخص کا مضمون پڑھا ہے۔ وہ ہندوستان کے متعلق کہتا ہے کہ ہندوستانی جن گڈّوں کے ذریعہ کام کرتے ہیں اگر ان کو چھوڑ دیں اور ہلکی قسم کے گڈّے استعمال کریں تو ان کی مالی حالت بہت حد تک درست ہو سکتی ہے۔ جو گڈّے آجکل ہیں وہ بہت پرانی طرز کے ہیں اور بہت بوجھل ہیں۔ ان میں جانوروں کو بہت زیادہ طاقت صَرف کرنی پڑتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ وقت بہت صَرف ہوتا ہے۔ اگر ہلکی قسم کے گڈّے ہندوستانی لوگ استعمال کریں تو بہت زیادہ فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر گڈّے ہلکے ہوں تو ان میں ایک بیل بھی کام دے سکتا ہے اور وقت بھی تھوڑا صَرف ہو۔ جب میں نے اِس مضمون کو پڑھنا شروع کیا تو پہلے میں نے اسے غیر معقول خیال کیا لیکن جُوں جُوں پڑھتا گیا میرا دل مانتا گیا کہ اگر ہندوستانی لوگ اِس طرف توجہ کریں تو بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہمارے ملک کا پرانا گڈّا جس کو دو بیل بڑی مشکل سے کھینچتے ہیں اور سارے دن میں ایک دفعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بوجھ لے جاتے ہیں اگر ہلکا ہو تو خواہ دو دفعہ بھی اس بوجھ کو لے جائے پھر بھی آسانی سے اور آدھے وقت میں وہ بوجھ لے جائے گا۔ غرض بہت چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے

تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ آجکل ضروریاتِ زندگی کو عمدہ طور پر پورا کرنا علم کے بغیر ممکن نہیں رہا۔

میں اپنی جماعت کے متعلق دیکھتا ہوں کہ جماعت کی ابتدائی تعلیم تو اچھی ہے اور اکثر لوگ سلسلہ کی کتب پڑھنے کے لئے اردو سیکھ لیتے ہیں۔ جتنی تعداد ہماری جماعت میں لکھے پڑھے لوگوں کی ہے وہ دوسری اقوام میں نہیں پائی جاتی۔ دوسری قومیں تو تعلیم میں بہت ہی پیچھے ہیں۔ ہندوؤں میں بھی اتنی تعداد پڑھے لکھے لوگوں کی نہیں جتنی ہم میں ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تعلیم کو اِس سے بھی زیادہ بڑھایا جائے۔ اور بلحاظ تعلیم کے پھیلاؤ کے اِس حد کو اپنے لئے کافی نہ سمجھا جائے۔ چونکہ پرائمری تک کوئی خرچ وغیرہ نہیں ہوتا اس لئے زمیندار لوگ اپنے بچوں کو پرائمری تک پڑھا لیتے ہیں اور پھر ان کی تعلیم بند کر دیتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے جو اپنے بچوں کو پرائمری تک تعلیم دلواتے ہیں وہ کم از کم مڈل تک اور جو مڈل تک تعلیم دِلوا سکتے ہیں وہ کم از کم انٹرنس تک اور جو انٹرنس تک پڑھا سکتے ہیں وہ اپنے لڑکوں کو کالج میں تعلیم دِلوائیں اور انہیں کم از کم بی اے کرائیں۔ چونکہ ہم تبلیغی جماعت ہیں اِس لئے ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہم سَو فیصدی تعلیم یافتہ ہوں۔ اور اگر کوئی قوم سَو فیصدی تعلیم یافتہ ہونا چاہے تو اُس کے لئے لازمی ہے کہ اُس کی کُل تعداد کا چھ فیصدی ہر وقت سکولوں اور کالجوں میں ہو۔ اِس وقت پنجاب میں ہماری تعداد اڑھائی لاکھ کے قریب ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ پنجاب میں پندرہ ہزار لڑکا ہمارا ہائی سکولوں تک جانا چاہیے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ پندرہ بیس سال کے اندر اندر تمام جماعت تعلیم یافتہ ہو جائے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر سال ہمارے ڈیڑھ دو ہزار لڑکے میٹرک پاس کریں۔ لیکن موجودہ حالت یہ ہے کہ مشکل سے سو ڈیڑھ سو لڑکے ہر سال میٹرک پاس کرتے ہیں۔ اگر یہی رفتار رہے جو اِس وقت ہے تو پھر پندرہ سال کے بعد ہم بجائے سو فیصدی تعلیم یافتہ ہونے کے دس فیصدی تعلیم یافتہ ہوں گے جو ایک افسوسناک بات ہے۔ اور یہ تعداد ایسی نہیں کہ اِس پر خوشی کا اظہار کیا جا سکے بلکہ ایسی چیز ہے کہ اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ پس ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ پندرہ بیس سال کے بعد ہمارا ہر فرد تعلیم یافتہ ہو بلکہ اچھا تعلیم یافتہ ہو۔ اگر ہر سال ڈیڑھ دو ہزار طالب علم انٹرنس

پاس کریں اور ان میں سے اکثر حصہ کالجوں میں داخل ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چار سال کے بعد جماعت کو ایک ہزار بی اے پاس نوجوان مل جائیں گے۔ اگر اس معیار پر جو میں نے پیش کیا ہے جماعت پورا اُترنے کی کوشش کرے اور جو سکیم میں نے پیش کی ہے اس پر عمل کرنے لگ جائے تو کوئی قوم ایسی نہیں جو کسی رنگ میں بھی ہمارے مقابل پر آسکے۔ اگر جماعت کوشش کرے تو یہ بات کوئی مشکل نہیں۔ کیونکہ کسی قوم کی تنظیم ایسی نہیں جیسی ہماری جماعت کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جماعت کو وہ مقام عطا کیا ہے کہ دوسری جماعتوں کو حاصل نہیں۔ اس لئے اگر جماعت اس بات کی طرف توجہ کرے تو وہ اس سکیم پر آسانی سے عمل پیرا ہو سکتی ہے۔ آپ لوگوں نے خدا تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ کیونکہ خلفاء تو ایک واسطہ ہیں اصل بیعت خدا تعالیٰ کی ہی ہوتی ہے۔ اس لئے آپ کا فرض ہے کہ باقی دنیا کو بھی خدا تعالیٰ کے ہاتھ پر جمع کریں اور یہ کام سوائے تعلیم کے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لوگوں کی دینی اصلاح کے لئے اپنی دنیوی اصلاح کرنی ضروری ہوتی ہے اور دینی اصلاح کے لئے دنیوی سامانوں کا استعمال کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس سے پیشتر بہت سے دوستوں نے مجھے اس طرف توجہ دلائی تھی کہ میں کوئی ایسی تعلیمی سکیم تیار کروں۔ لیکن میں نے عمداً ایسی سکیم کے اعلان کرنے سے گریز کیا۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ اگر جماعت کو اس مقام پر لایا گیا تو بجائے دین میں ترقی کے تنزل کی صورت ہو گی۔ کیونکہ ہمارے نوجوان آریوں، سکھوں یا عیسائیوں کے کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جاتے تو بجائے دینی حالت کی اصلاح کے ان کی دینی حالت خراب ہونے کا اندیشہ تھا۔ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارا اپنا کالج کھل گیا ہے جہاں طلباء کو ہر قسم کی سہولت میسر آسکتی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ان کی دینی حالت کی بھی بہت اصلاح ہو سکتی ہے۔ اب ضرورت ہے اِس بات کی کہ کالج میں کثرت سے طلباء آئیں۔ اگر کالج میں پروفیسروں کی کمی ہو تو ان کی تعداد بڑھائی جا سکتی ہے۔ خالصہ کالج میں اِس وقت تیرہ سو کے قریب لڑکے پڑھتے ہیں۔ اگر یہاں بھی اتنی تعداد ہو جائے تو باہر کے کالجوں کے لڑکوں کی اصلاح بہت آسانی سے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ

ع کند ہم جنس باہم جنس پرواز

کالج کے لڑکے کالج کے لڑکوں سے بہت حد تک اثر قبول کرتے ہیں۔ اگر تمام طالب علم قادیان میں کالج کی تعلیم کے لئے نہ آسکیں تولاہور میں پڑھنے والوں کے لئے احمدیہ ہوسٹل کو بڑھایا جاسکتا ہے اور سَو دو سَو جتنی بھی ضرورت ہو احمدیہ ہوسٹل میں ان کے لئے انتظام کیا جا سکتا ہے اور ان کو اپنی نگرانی میں رکھا جاسکتا ہے۔ جب ہوسٹل کے لڑکے دوسرے کالجوں کے لڑکوں سے ملیں گے تو غیر احمدی لڑکے ضرور ان سے متاثر ہوں گے۔ اگر ایک اَن پڑھ باپ اپنے لڑکے کو جو کالج میں پڑھتا ہے نماز کی تلقین کرے تو اس پر اثر نہیں ہوتا کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ میرا باپ تو اَن پڑھ ہے اس کو کیا علم ہے کہ نماز پڑھنے سے فائدہ ہوتا ہے یا نقصان۔ لیکن جب ایک ایم اے کا طالب علم بی اے کے طالب علم کو نصیحت کرے کہ نماز پڑھا کرو تو وہ ضرور اس بات کی طرف توجہ کرے گا۔ کیونکہ وہ اسے تعلیم میں اپنے سے زیادہ قابل سمجھتا ہے اور وہ سمجھے گا کہ یہ شخص جو مجھ سے زیادہ قابل ہے زیادہ عقلمند ہے۔ یہ نماز پڑھتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی نماز میں کوئی خوبی ہے۔ جب تک ہمارا اپنا کالج نہ تھا اُس وقت تک اِس سکیم کا موقع نہ تھا۔ مگر اب موقع آچکا ہے۔ اور دوستوں کا فرض ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ طالب علم تعلیم الاسلام کالج میں پڑھنے کے لئے بھیجیں۔ اگر زیادہ تعداد میں طالب علم پڑھنے کے لئے نہ آئیں تو وہ غرض جس کے لئے کالج کھولا گیا تھا پوری نہیں ہو سکتی اور کالج کا کھولنا بالکل بے فائدہ اور عبث ہو جاتا ہے۔ اِس لئے اب ضرورت ہے اِس بات کی کہ زیادہ سے زیادہ طالب علم ہمارے ہائی سکولوں میں تعلیم حاصل کریں اور اس کے بعد کالج میں داخل ہوں۔ اس کے لئے میں صدر انجمن کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ فوری طور پر نظارت تعلیم وتربیت کو ایک دو انسپکٹر دے۔ جو سارے پنجاب کا دَورہ کریں اور جو اضلاع پنجاب کے ساتھ دوسرے صوبوں کے ملتے ہیں اور ان میں احمدی کثرت سے ہوں اُن کا بھی دَورہ ساتھ ہی کرتے چلے جائیں۔ یہ انسپکٹر ہر ایک گاؤں اور ہر ایک شہر میں جائیں اور لسٹیں تیار کریں کہ ہر جماعت میں کتنے لڑکے ہیں؟ ان کی عمریں کیا ہیں؟ ان میں کتنے پڑھتے ہیں اور کتنے نہیں پڑھتے؟ جو نہیں پڑھتے ان کے والدین کو تحریک کی جائے کہ وہ انہیں تعلیم دلوائیں اور کوشش کی جائے کہ زیادہ سے زیادہ لڑکے ہائی سکولوں میں تعلیم حاصل کریں۔ اور ہائی سکولوں سے پاس ہونے

والے لڑکوں میں سے جن کے والدین استطاعت رکھتے ہوں اُن کو تحریک کی جائے کہ وہ اپنے بچے تعلیم الاسلام کالج میں پڑھنے کے لئے بھیجیں۔ اگر جماعت ابھی سے اس پر عمل کرنا شروع کردے تو وہ چار پانچ سال کے اندر اندر بہت اعلیٰ طور پر تعلیم میں منظّم ہو سکتی ہے۔ ہماری جماعت اِس وقت تقریباً پندرہ فیصدی تعلیم یافتہ ہے۔ لیکن ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہمارے تمام احمدی سو فیصدی تعلیم یافتہ ہوں۔ لیکن جیسا کہ میں بتا چکا ہوں موجودہ رفتار سے آئندہ دس بارہ سال میں دس فیصدی اَور ترقی کی جاسکتی ہے۔ گو اس وجہ سے ہم سو فیصدی تعلیم یافتہ نہیں ہو سکتے کہ ہماری تعداد مقرر اور معیّن نہیں بلکہ ہر سال بڑھتی رہتی ہے۔ جن قوموں کی تعداد معیّن اور مقرر ہو وہ سو فیصدی تعلیم یافتہ ہو سکتی ہیں۔ لیکن جس جماعت کے اندر ہر سال نئے آدمی شامل ہوتے رہیں وہ سو فیصدی تعلیم یافتہ نہیں ہو سکتی۔ فرض کرو کہ پندرہ سال کے اندر ہم اپنے تمام بچوں کو تعلیم یافتہ بنا دیتے ہیں اور انہیں ایسے مقام پر پہنچا دیتے ہیں کہ ہم کہہ سکیں کہ ہمارے بچے سو فیصدی تعلیم یافتہ ہیں۔ لیکن اس پندرہ سال کے عرصہ میں پندرہ بیس لاکھ یا اس سے کم و بیش جو لوگ احمدی ہوں گے وہ غیر احمدیوں سے آئیں گے اور ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب تعلیم یافتہ ہوں۔ اس لئے جب وہ آئیں گے تو وہ ہماری سو فیصدی کو باطل کر دیں گے اور اس سو فیصدی کو پچاس، ساٹھ یا ستّر، اسّی فیصدی بنا دیں گے۔ بہر حال ہمارا فرض ہے کہ جو شامل ہو چکے ہیں اُن کو سَو فیصدی تعلیم یافتہ بنانے کی کوشش کریں۔ ہمارا ہر ایک بچہ زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کرے۔ اگر ہم اِس سکیم میں کامیاب ہو جائیں تو ہم تجارت میں سب سے زیادہ کامیاب ہوں گے۔ صنعت و حرفت میں سب سے زیادہ کامیاب ہوں گے، ملازمتوں کے لحاظ سے سب سے زیادہ کامیاب ہوں گے۔

تعلیم حاصل کرنے کے بعد اگر ہمارے نوجوان پیشوں کو اختیار کریں گے تو سب سے زیادہ کامیاب کاریگر ہوں گے۔ اگر تجارت کریں گے تو سب سے اعلیٰ تاجر ہوں گے۔ بے شک تمام نوجوانوں کو ملازمتیں نہیں مل سکتیں لیکن اگر تعلیم یافتہ فٹر (Fitter) کا کام بھی کریں گے تو وہ دوسرے تمام کاریگروں سے بڑھ جائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہوزری کی کامیابی میں بابو اکبر علی صاحب کا بہت کچھ دخل تھا کیونکہ وہ سرکاری کارخانوں میں کام کر چکے تھے اور لوہاروں اور

ترکھانوں کے کام سے خوب واقف تھے۔ ان کی انگریزی تعلیم کافی تھی۔ اگر انہیں کسی معاملہ میں دِقت پیش آتی تو وہ انگریزی کتابوں کا مطالعہ کر لیتے تھے۔ اور اِس دِقت کو حل کر لیتے تھے۔ غرض دستی کام کے ساتھ اگر علم مل جائے تو وہ سونے پر سہاگہ کا کام دیتا ہے۔ اگر ایک نوجوان اچھا تعلیم یافتہ ہے تو وہ جرمن زبان سیکھ سکتا ہے یا فرانسیسی زبان سیکھ سکتا ہے اور ان ملکوں کی کتابوں سے دستکاری کے بہت سے طریقے جو ہمارے ملک میں رائج نہیں ہیں اُن کو رائج کر سکتا ہے۔ یا سائنس کی کتابوں میں سے اپنے فن میں بہت کچھ مدد لے سکتا ہے۔

اِسی طرح زمینداروں کو اعلیٰ تعلیم دلائی جائے تاکہ وہ غیر ملکوں کے زراعت کے اصول کے متعلق علم حاصل کر سکیں۔ ابھی تک ہندوستان میں گورنمنٹ کی طرف سے دیہات میں اعلیٰ تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہوا۔ اور جس زمیندار کی دو چار ایکڑ زمین ہو وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کس طرح دلا سکتا ہے۔ بے شک پرائمری تعلیم کا انتظام گورنمنٹ کی طرف سے کیا گیا ہے لیکن موجودہ زمانہ کی علمی ترقی کے مقابلہ میں پرائمری تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور جن زمینداروں کے پاس اتنی تھوڑی زمین ہے اُن سے یہ اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائیں کیونکہ ان کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے کہ وہ بچوں کی تعلیم کا خرچ برداشت کر سکیں۔ تو اس کے لئے میرے نزدیک ایک تجویز یہ ہے کہ دیہات میں تعاونِ باہمی کیا جائے۔ جس طرح ہماری جماعت دوسرے کاموں کے لئے چندے جمع کرتی ہے اِسی طرح ہر گاؤں میں اس کے لئے کچھ چندہ جمع کر لیا جائے جس سے اُس گاؤں کے اعلیٰ نمبروں پر پاس ہونے والے لڑکے یا لڑکوں کو وظیفہ دیا جائے۔ اِس طرح کوشش کی جائے کہ ہر گاؤں میں سے دو تین طالب علم اعلیٰ تعلیم حاصل کر لیں۔ جب یہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر لیں گے تو دوسرے لوگوں کے سامنے ایک نمونہ ہو گا اور وہ کوشش کریں گے کہ ان کے بچے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض اچھے کھاتے پیتے خاندانوں کے لڑکے باوجود اعلیٰ تعلیم کی استطاعت رکھنے کے تھوڑی سی تعلیم حاصل کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُن کے گاؤں میں کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان اُن کے لئے بطور نمونہ نہیں ہوتا۔ لیکن جن دیہات میں تعلیم کا شوق پیدا ہو جاتا ہے وہاں والدین اپنی زمین رہن رکھ کر

بھی بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلواتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُن کے سامنے کوئی نہ کوئی نمونہ ہوتا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ فلاں کے لڑکے نے بی اے پاس کیا اور وہ اچھے عُہدہ پر ہے تو اُنہیں بھی اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اگر اِس طرح ہر ایک گاؤں میں ایک دو نوجوانوں کو بی اے تک تعلیم دلوادی جائے تو باقی لوگوں کو خود بخود شوق پیدا ہو جائے گا۔

پس عہدیداروں کا فرض ہے کہ وہ اس سکیم کی طرف پورے طور پر متوجہ ہوں اور بچوں کے والدین کو مجبور کریں کہ وہ اپنے بچوں کو کم از کم میٹرک تک اور اگر استطاعت رکھتے ہوں تو بی اے تک تعلیم دلوائیں۔ مجبور سے میرا مطلب یہ ہے کہ انہیں میرا خطبہ پڑھ کر سنایا جائے اور اعلیٰ تعلیم کے فوائد اُن کے سامنے بار بار بیان کئے جائیں اور طالب علموں کی پڑھائی کی نگرانی کی جائے کہ وہ تعلیم میں کیسے ہیں۔ ان کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے کہ وہ تعلیم میں پورے طور پر دلچسپی لیں۔ اور جو انسپکٹر دورہ پر جائیں اُن کا فرض ہے کہ وہ احمدی لڑکوں کو تعلیم کے فوائد بتائیں اور اُن کے والدین کو نصیحت کریں کہ وہ ان کی پڑھائی مکمل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر سَو میں سے دس طالب علم بھی اچھے نکل آئیں تو بھی جماعت کو تعلیمی لحاظ سے بہت بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ میں نے اِس سکیم کو جماعت کے سامنے رکھ دیا ہے اگر جماعت اس پر عمل کرے گی تو دینی اور دنیوی طور پر تمام جماعتوں پر خدا کے فضل سے فوقیت حاصل کرے گی۔ میرا ارادہ ہے کہ پہلے پنجاب اور اسکے ساتھ ملتے ہوئے یو پی اور صوبہ سرحد کے علاقوں میں اور پھر آہستہ آہستہ دوسرے تمام صوبوں میں بھی منظّم طور پر کوشش کی جائے۔ پس جماعت اگر چاہتی ہے کہ وہ بہت جلد دنیا پر چھا جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اعلیٰ تعلیم کو اپنے اندر عام کرے۔ افریقہ میں ہماری کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہاں ہمارے سکول قائم ہیں۔ اور زیادہ تر وہاں کے لوگ سکولوں کی وجہ سے احمدیت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ لیکن افریقہ میں خرچ کم ہے اِس لئے وہاں سکول قائم کرنے کے لئے زیادہ روپیہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس سکیم کو پہلے میں نے مصلحتاً بیان نہیں کیا تھا کیونکہ ہمارا کالج کوئی نہ تھا۔ لیکن اب جبکہ میں نے یہ سکیم بیان کر دی ہے جماعت کو چاہیے کہ پوری توجہ سے اس پر عمل کرے اور دفتر تعلیم کو چاہیے میری ہدایت کے مطابق جلدی انسپکٹر مقرر کرے۔ اگر ہم

اپنے تعلیمی پروگرام کو مکمل کر لیں تو ہندوستان کی کوئی جماعت ایسی نہ ہو گی جو جماعت احمدیہ کا مقابلہ کر سکے۔ اگر ہماری جماعت تعلیم میں اعلیٰ ہو تو لازمی بات ہے کہ زندگی کے باقی شعبوں میں بھی باقی جماعتیں اِس سے شکست کھائیں گی۔"

(الفضل مورخہ 30/اکتوبر 1945ء)

1: الماعون:5

2: بخاری کِتَاب الصَّوْمِ باب مَنْ لَمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ (الخ)